پروفیسر اختر الحسن بھٹی

تصوّف بحیثیت مذہبی واردات

—— یہ مقالہ مارچ ۸۸ء میں منعقدہ سالانہ محاضراتِ قرآنی میں پڑھا گیا ——

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورہ آلِ عمران - ۱۶۴)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان عظیم فرمایا کہ انہی میں سے ان میں ایک رسول اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الاحسان ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

ترجمہ۔ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

صاحبِ صدر' گرامی قدر اور معزز حاضرینِ کرام میری آج کی گزارشات کا عنوان "تصوف بحیثیت مذہبی واردات" ہے۔ میں نے آپ حضرات کے سامنے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۴ کی تلاوت اور ترجمہ پیش کیا ہے' اس میں تزکیہ کا ذکر آیا ہے تزکیہ سے مراد انسان کے ظاہر اور باطن کو پاک کرنا ہے۔ فعل تزکیہ کی نسبت کبھی تو انسان کی جانب کی جاتی ہے جیسے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے بَلِ اللّٰهُ

یُزَکِّی مَنْ یَّشَاءُ اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے جیسے تُطَہِّرُ ھُمْ وَ تُزَکِّیْہِمْ بِہَا اور کبھی اس کی نسبت عبادت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ تزکیہ کے حاصل کرنے میں عبادت بمنزلہ ایک آلہ کے ہوتی ہے۔ اور عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے جس میں ایمان اور اعمال صالحہ سب کے سب شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ دین کے باطنی امور سے مطلع ہونے کا نام تصوف ہے۔ اور اس کا مطمح نظر عبادت اور اطاعت کے اثرات سے حاصل شدہ روشنی کی تحصیل ہے۔ اس کی معراج مقام احسان کو پالیا ہے۔ اور یہ دین کی باطنی حیثیت کا نچوڑ ہے۔ دور حاضر کی اصطلاح میں معرفت اور طریقت کا دوسرا نام احسان ہی ہے۔ (قرۃ العینین صفحہ ۴۲ اور فیوض الحرمین صفحہ ۱۶)

امام قشیری اپنے مشہور رسالہ میں لکھتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود تک صحابہ کے لقب کے سوا کوئی اور لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ حضورؐ کے شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی اور شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ یہ زمانہ بھی ہو چکا تو بزرگان دین زاہد اور عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے، یہاں تک کہ اہلِ بدعت کو بھی تھا' اس لئے جو لوگ خاص اہل سنت والجماعت میں سے زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے۔ سب سے پہلے جس شخص کو صوفی کا لقب ملا وہ ابو ہاشم صوفی تھے' جنہوں نے ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی۔

ذکر و فکر اور عبادت و مجاہدہ تزکیہ کے آلات ہیں۔ ان کے ذریعے قلب انسانی اس قدر متجلی اور صیقل ہو جاتا ہے کہ حقائقِ اشیاء اس میں منعکس ہونے لگتے ہیں اور اس مکاشفہ کے ذریعے ایمان بالغیب 'ایمان شہودی میں تبدیل ہو جاتا ہے' امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح سمجھایا ہے کہ

ایک بار روم اور چین کے نقاشوں میں مقابلہ ہوا۔ دونوں اپنی اپنی فضیلت کے مدعی تھے۔ بادشاہِ وقت نے آمنے سامنے کی دو دیواریں دونوں گروہوں کے لئے مقرر کر دیں تاکہ ہر ایک اپنے حصے کی دیوار پر اپنی صنعت کاری کا نمونہ دکھائے۔ بیچ میں پردہ ڈال دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کی نقل نہ اتارنے پائے' چند روز کے بعد رومی نقاشوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے ہیں۔

چینیوں کہا کہ ہم بھی فارغ ہو چکے۔ پردہ اٹھایا گیا تو دونوں میں بال برابر فرق نہ تھا۔

معلوم ہوا کہ رومیوں نے بجائے نقاشی کے یہ کیا تھا کہ دیوار کو صیقل کر کے آئینہ بنا دیا تھا۔ پردہ اٹھا تو سامنے کی دیوار کے تمام نقش اس میں اتر آئے۔ صوفیہ بھی قلب انسانی کا تزکیہ کر کے اسے مجلّا و مصفّٰی کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی صوفی کو اپنے مشاہدے اور کشف کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو اسے چاروں طرف اللہ تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں خضوع و خشوع ہیبت اور خوف اور ادب و فرماں برداری کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کسی طرح علمِ ظاہری سے پیدا نہیں ہو سکتی۔

تصوف کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم اپنے اصل موضوع یعنی تصوف بحیثیت مذہبی واردات کی جانب آتے ہیں۔

جو لوگ عصر حاضر کی حسی صنعتی تہذیب سے مرعوب ہو کر التباسِ ذہنی کا شکار ہو گئے ہیں وہ حیات انسانی کے تعلق میں، جو اہمیت مذہب اور مذہبی واردات کو حاصل ہے اُس کے انکار کی بہت ہی ناروا جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کا مؤقف یہ ہے کہ علوم کی ترقی کے پیش نظر ہمیں اس رجعت پسندی سے نکلنا چاہئے۔ جو لوگ علمی ترقی کا نعرہ لگاتے ہیں وہ مذہب اور مذہبی واردات کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔ زندگی کے ان اعلیٰ فضائل سے محرومی انہیں ان فضائل کی نفی اور انکار کی طرف مائل کرتی ہے۔ دو سال تک محکومی کی زندگی بسر کرنے کا اثر ہم پر یہ ہوا ہے کہ ہم نے اپنی آرزو، اپنے نظام افکار، اپنے نمونہ ثقافت اور اپنی زندگی کے حوالے سے اپنی اصطلاحوں میں سوچنا چھوڑ دیا ہے اور اپنے ثقافتی فضائل کی نسبت اپنے دشمنوں کا فیصلہ قبول کر کے ہم بھی مذہب اور مذہبی واردات کے انکار کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔

اسلامی تصوف کو مذہبی واردات کی حیثیت سے سمجھنے سے پہلے اسلام کو سمجھنا ضروری ہے۔ کسی حقیقت کو علمی انداز سے سمجھنے کا یہ طریقہ کہ موضوعِ زیرِ بحث کے لغوی معنی پر غور کریں ایک فرسودہ اور بے نتیجہ انداز ہے کیوں کہ اس لغت فہمی سے اس کے مبدا، ماہیت اور مقصد تک رسائی ممکن نہیں۔ علمی طریق یہ ہے کہ اسلام کو (۱) جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سمجھا جائے۔ (۲) اس پر غور کیا جائے کہ اس کا مبداء کیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس کی غایت کیا ہے اور (۳) تیسرے یہ کہ انسانی زندگی میں اس کی احتیاج کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ

(۱) اسلام کا مبدا منزل من اللہ وحی ہے۔ اس کی ماہیت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان عبودیت کی نسبت کا قائم ہونا ہے اور اس کی غایت ایک معاشرہ پیدا کر کے اُسے بین الاقوامی سطح پر غالب کرنا ہے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو' اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہیں اور اس معاشرے کی اساس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری اور غیر مشروط اطاعت ہو۔

اسی طرح اسلامی تصوف اور مذہبی واردات کو سمجھنے کا بھی کوئی طریقہ ہونا چاہئے تاکہ سب غور وفکر کرنے والے اس کی نسبت ایک ہی نتیجے پر پہنچیں اور جو رائے قائم ہو اس میں یکسانی کا انداز پیدا ہو تاکہ انتشار فکری سے نجات مل سکے۔ ایسا طریقہ صرف تنقیدی منہاج ہو سکتا ہے جس کے چار مدارج ہیں۔

(۱)...... موضوع زیر بحث اور اس کے مماثل فضائل کے درمیان امتیازات

(۲)...... موضوع زیر بحث کی ماہیت کا تعین

(۳)...... موضوع زیر بحث کے واقعہ بننے کی شرائط کا تجزیہ

(۴)...... موضوع زیر بحث کی صحت و واقعیت کے حدود

(۱) اُس منہاج کے مطابق تصوف بحیثیت مذہبی واردات اور اس کے مماثل ایسے فضائل کے درمیان جن کی نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ بھی واردات مذہبی ہیں' امتیاز کو واضح کرنا ہو گا۔

(۱) <u>خرقِ عادت اور مذہبی واردات</u>

خرقِ عادت واقعات وہ ہوتے ہیں جن کی علّت سمجھ میں نہ آئے جیسے دور دراز فاصلے پر گزرنے والے واقعات کا بلاواسطہ علم یا آئندہ پیش آنے والے واقعات کا قبل از وقت علم یا دل کی پوشیدہ باتوں کا کشف' یا بغیر دوا کے مریض کے شفایاب ہونے کا واقعہ۔ یہ سب خرق عادت ہیں۔ خرقِ عادت کا حصول وہبی بھی ہو سکتا ہے اور کسبی بھی۔ اگر وہبی ہوں تو تصوف کی زبان میں کرامت کہلاتے ہیں اور اگر کسبی ہوں تو استدراج۔ ان دونوں صورتوں میں کسی کی حیثیت بھی مذہبی واردات کی نہیں۔ مذہبی واردات کا اطلاق بندے اور خدا کے درمیان نسبت کے متحقق اور مستحکم ہونے پر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی صاحبِ ولایت کا

صاحبِ کرامت ہونا سرے سے ضروری نہیں۔

(ب) اخلاق اور مذہبی واردات

جو اعمال اوامر اور نواہی کو واجب التعمیل سمجھ کر ان کے اتباع میں صادر ہوں وہ اخلاقی فضائل ہیں اور جو ان کی خلاف ورزی میں سرزد ہوں وہ اخلاقی رذائل ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی رو سے اخلاق کا معیار حکم ہے۔ لہٰذا جو اخلاقی فضائل تزکیے کے بعد حاصل ہوتے ہیں وہ بھی فضائل اخلاق ہی ہیں مذہبی واردات نہیں کیونکہ کہ مذہبی واردات خدا اور بندے کے درمیان نسبت کا شعور ہے جس کی نوعیت افراد کے انفرادی نمونے کے تابع ہوتی ہے۔

(ج) مابعد الطبیعی حقائق کی نسبت قضایا اور مذہبی واردات

مابعد الطبیعی قضیوں کی تشکیل طلب علم کے تقاضے کی تسکین کے لئے وجود میں آتی ہے۔ اس کا تعلق جزو اور کل کے تعلق اور تخلیقِ کائنات کی گتھی کو سلجھانا ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ وحدت سے کثرت کو منتزع کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس طرح وحدت نظری اور وحدت مذہبی میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود بھی انہی میں سے ہے۔ ان کا بھی کوئی تعلق مذہبی واردات سے نہیں ہے۔

(د) نظریہ ظاہر نبوت اور ولایت دونوں مذہبی واردات کی حیثیت رکھتی ہیں مگر ان دونوں کے کمالات کے درمیان مدارج کا نہیں بلکہ نوعیت کا فرق ہے۔ کیونکہ

(ا) نبوت فضلِ محض اور وہبِ خالص ہے اور ولایت میں کسب کو دخل ہے

(ب) نبوت کا خاصہ صحو محض ہے یعنی Sobriety and Sane Rationality اور ولایت کا خاصہ سُکر یعنی Intoxication.

(ج) نبوت کے تمام معارف حتمی، قطعی اور یقینی ہیں اور ولایت کے سب ظنی۔

(د) نبوت کے تمام معارف حقیقتِ نفس الامری کے ادراکات ہیں اور ولایت کے معارف باطنی کیفیات کے ادراکات ہیں۔

(ہ) نبوت کے معارف تبلیغ کے لئے ہیں اور صاحبِ ولایت کے معارف "حال" ہیں قال نہیں ہیں اس لئے اظہار و ابلاغ سے ماورا ہیں۔

(و) صاحب نبوت کی توجہ باذن اللہ لوگوں کے اصلاحِ حال پر مرکوز ہے اور صاحب ولایت کی توجہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ پر مرکوز ہے۔ صاحب نبوت [illegible] کی تلاش میں ہے اور لوگ

صاحب ولایت کی جستجو میں ہیں۔

مذہبی واردات کی ماہیت

صوفیانہ واردات بندے اور خدا کے درمیان نسبت کے بلاواسطہ ادراک کا نام ہے۔ یہ ادراک پوری زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے اور عملی زندگی کا ایک خاص انداز اس نسبت کے متحقق ہونے کی شہادت مہیا کرتا ہے۔ افرادی شخصیت اپنے نمونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ نوعیت کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ شعور کے تین پہلو ہیں' جذبہ' ارادہ اور ادراک۔ جس سالک کے شعور میں جذبے کا پہلو غالب ہوتا ہے اُسے اپنے اور خدا کے درمیان محبت کی نسبت محسوس ہوتی ہے۔ محبت کی اس نسبت کو صوفیہ کی اصطلاح میں ولایت عیسوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس سالک کے شعور میں ارادے کا پہلو غالب ہوتا ہے اسے اپنے اور خدا کے درمیان اطاعت کی نسبت محسوس ہوتی ہے اور سرتاسر مطیع ہو جانا مقصود بن جاتا ہے۔ اس نسبت کے متحقق ہو جانے کو ولایت موسوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس سالک کے شعور میں ادراک کا پہلو غالب ہوتا ہے اسے اپنے اور خدا کے درمیان معرفت کی نسبت محسوس ہوتی ہے۔ صوفیہ کی زبان میں اس نسبت کو ولایتِ ابراہیمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہرچند کہ یہ نسبتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں' مگر یہ فرق ابتدا میں پایا جاتا ہے۔ سب نسبتیں نشوونما پا کر نہایت متوازن انداز میں ایک ہمہ گیر نسبت کی صورت میں نسبت عبودیت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس نسبت کا حامل صاحب ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیم کہلاتا ہے۔ اس نسبت کے لئے عبد اور معبود کی دوئی کا شعور ناگزیر ہے۔ جب روحانی ارتقا شروع ہو جائے تو اس زندگی میں یا مرنے کے بعد' ہر نسبت کمال کو پہنچ کر نسبت عبودیت پر منتہی ہوتی ہے۔ اس نسبت کے متحقق ہونے کے بعد یہ بات مبہم نہیں رہتی کہ صاحب نسبت کا طرز عمل عام لوگوں کی طرف انتہائی ہمدردی اور دل سوزی کا طرز عمل ہو جاتا ہے۔

اس کی شہادت ہمیں حضرت نظام الدین اولیا کی زندگی میں ملتی ہے۔ فرمایا اگر کوئی شخص تیری راہ میں کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے جواب میں اس کی راہ میں کانٹا رکھ دے تو ساری دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔ عموماً لوگ ایسا ہی کرتے ہیں لیکن درویشوں کا یہ دستور نہیں' انہیں

نیک اور بد دونوں کے ساتھ نیکی کرنی چاہئے۔ بندگانِ خدا پر حضرت کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن گرمی کے موسم میں حاضرین کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی اور لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے۔ فرمایا آگے سرک آؤ۔ مل کر بیٹھو تاکہ وہ لوگ بھی سائے میں بیٹھ سکیں جو دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں" (فوائد الفواد۔ ملفوظات حضرت محبوب الٰہی)۔ ایک دن ایک خادم نے عرض کیا آپ تو سحری کے وقت بھی کچھ نہیں کھاتے' اس طرح تو کمزوری بہت بڑھ جائے گی۔ آپ نے فرمایا بہت سے درویش مسجدوں میں بھوکے پڑے ہیں' اس صورت میں کھانا میرے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔

حصولِ نسبت کے دو راستے

حصولِ نسبت کے دو ہی راستے ہیں' ایک راہ اجتباء اور دوسرا راہ انابت جیسا کہ سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ سے ظاہر ہے۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے لئے ہے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف ہدایت دیتا ہے رجوع کرنے والے کو۔

جو لوگ اجابت کی راہ سے آتے ہیں مراد کہلاتے ہیں' جنہیں یا تو مشقت میں مبتلا نہیں کیا جاتا یا وہ شدائد جن سے انہیں گزرنا پڑتا ہے' ان کے رجوع الی اللہ کی بدولت ان کے لئے آسان کر دیئے جاتے ہیں اور نسبت کا غلبہ انہیں مصائب و مشکلات کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ جو لوگ انابت کی راہ سے سلوک کی طرف آتے ہیں' یہ تائید الٰہی' اپنے عزم اور ارادے سے انتہائی جدوجہد کر کے کمال پر فائز ہوتے ہیں یہ مرید کہلاتے ہیں۔

مذہبی واردات کے متضمنات

تعلق باللہ انسان کے لاشعور میں جاگزین ہے۔ تزکیہ نہ ہونے سے اس تعلق کا ادراک نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے خواہشاتِ نفسانی تعلق باللہ کی راہ میں حجابات بنی رہتی ہیں۔ یہی حجابات خدا طلبی کی راہ میں ایک سازگار شرط کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں' اگر ان کے رفع کرنے کے لئے کمرِ ہمت کس لی جائے۔ اس کوشش کے نتیجے میں خود اپنے عزم بیدار ہوتا

ہے، طبیعت ضبط و انقیاد کی عادی ہو جاتی ہے اور انجام کار حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔

جس طرح حواسِ خمسہ ظاہری محسوسات کے علم کا ذریعہ ہیں، اسی طرح حواسِ خمسۂ باطنی ورائے محسوسات کے ادارک کا ذریعہ ہیں۔ اور حواس خمسہ باطنی یہ ہیں: قوتِ متخیّلہ، متمیزہ، متوہمہ، متفکرہ اور حسِ مشترک اسی طرح لطائف خمسہ ورائے معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہیں اور لطائف خمسہ یہ ہیں: قلب، روح، سرّ، خفی اور اخفی۔

تزکیہ اور اس کے شرائط

تزکئے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ کی ذات گرامی اور آپ کے مقاصد سے وابستگی اور دوسرے اپنا مال دوسروں کی زندگی سے معاشی تعطل دور کرنے کے لئے صرف کرنا تاکہ وہ بھی اپنے اندر حضور کی دعوت کی تکمیل کی استطاعت پیدا کر سکیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

مذہبی واردات کی صحت

مذہبی واردات کی صحت کی حدود یہ ہیں کہ کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو ان کی صحت مسلم ہے اور مطابقت نہ رکھیں تو پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

تصوف اور مذہبی واردات کے اس تعارف کے آخر میں مجھے یہ گزارش کرنا ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کی تینوں سطحوں کے لئے تین نصب العین متعین کئے ہیں۔ انفرادی سطح پر انسان مرتضی بننا۔ جس کا انحصار تزکیہ نفس پر ہے۔ اور قرآن مجید میں ایسے افراد کا ذکر عبادالرحمٰن کے عنوان سے کیا گیا اور ان کی صفات سورہ فرقان کے آخری رکوع میں اس طرح بیان کی گی......

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ اِلٰى
آخر السورة۔

معاشرتی سطح پر اسلام کا متعین کردہ نصب العین ایک ایسے مثالی معاشرے کا قیام ہے۔ جس میں فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے پاک ہو اور بین الاقوامی سطح پر اس قسم کے مثالی معاشرے مل کر غلبۂ دینِ حق کا فریضہ ادا کریں۔ اصل نصب العین عالمی سطح پر غلبہ دین حق ہے' بقیہ دونوں سطحوں پر نصب العین اس بلند نصب العین کے حصول کے لئے دو مستحکم بنیادوں کا کام دیتے ہیں۔ اگر تزکیہ نفس اس نیت سے ہو کہ عباد الرحمٰن کی مدد سے ایک مثالی معاشرہ قائم کر کے عالمی سطح پر دین اسلام کو غالب کرنے کی جدوجہد کی جائے تو یہ کام انتہائی درجے میں مستحسن ہے اور اگر مقصود محض انفرادی طور پر صوفیانہ اشغال کے ذریعے اپنے ہم نفسوں پر برتری حاصل کرنا اور اپنی انا کی تسکین ہو تو یہی کام مذموم ہے۔

بقول اقبال

یہ حکمت ملکوتی' یہ علم لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی' یہ مراقبے یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریک شورش پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ